***Journal of Religion & Society* (JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems
https://doi.org/10.5281/zenodo.21756024

Societal and Thematic Manifestations in Urdu Literature: A Critical Evaluation of 'Art for Life' and 'Art for Art's Sake'

اردو ادب پر معاشرتی اور موضوعاتی اثرات:'ادب برائے زندگی'اور 'ادب برائے ادب'کا تنقیدی جائزہ

Dr. Syed Ishfaq Hussain Bukhari
Associate Professor, Department of Urdu,
Muslim Youth University (MY), Japan Road,
Islamabad.

Abstract

This research paper explores the profound and intrinsic impact of evolving socio-political realities on the thematic landscape of Urdu literature. Literature does not exist in a vacuum; rather, it is a creative mirror reflecting the shifts, crises, and advancements of human society. Through a historical-analytical approach, this study examines how the decline of the Mughal Empire and the devastation of Delhi and Lucknow institutionalized themes of political melancholy (Shahr-e-Ashob) and mysticism in classical Urdu poetry, as seen in the works of Mir and Sauda. It further evaluates the paradigm shift brought by the Aligarh Movement, which replaced supernatural elements with utilitarianism, rationality, and social reform through pioneers like Sir Syed Ahmed Khan, Hali, and Deputy Nazir Ahmed.

The paper also investigates the 20th-century thematic revolutions: the Progressive Writers' Movement (1936), which introduced Marxist class struggle, economic exploitation, and realistic human struggles (Premchand, Faiz, Sahir) into the literary mainstream; and the trauma of the 1947 Partition, which infused literature with deep psychological wounds, existential identity crises, and raw realism (Manto, Chughtai, Qurratulain Hyder). Furthermore, it addresses how post-1960 industrialization, urbanization, and modernization pivoted literature toward Modernism and Postmodernism, highlighting individual alienation and fragmented inner selves.

Finally, the study deconstructs the long-standing critical debate between "Art for Life's Sake" (Adab baraye Zindagi) and "Art for Art's Sake" (Adab baraye Adab). Drawing on contemporary critical frameworks established by scholars like Gopi Chand Narang and Shamim Hanfi, the paper concludes that these two ideologies are not mutually exclusive but complementary. Authentic and enduring literature seamlessly synthesizes societal consciousness with aesthetic elegance; social reality provides the "substance" or theme of literature, while aesthetics provide its "soul" and artistic expression. Without this harmonious synthesis, literature risks becoming either a sterile political pamphlet or a detached intellectual luxury.

***Keywords* (کلیدی الفاظ):** *Urdu Literature*(اردو ادب), *Socio-Thematic Impacts*(معاشرتی و موضوعاتی اثرات), *Classical Urdu Poetry*(کلاسیکی اردو شاعری), *Aligarh Movement*(علی گڑھ تحریک), *Progressive Writers' Movemen*(ترقی پسند تحریک) , *Partition Literature*(تقسیمِ ہند کا ادب) , *Modernism & Postmodernism*(جدیدیت اور مابعد جدیدیت), *Art for Life's Sake*(ادب برائے زندگی), *Art for Art's Sake*(ادب برائے ادب), *Literary Aesthetics*(جمالیاتی ادب)

جب ہم ادب پر معاشرتی اثرات کا جائزہ لیتے ہیں تو مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔

کلاسیکی اردو ادب پر زوال پذیر معاشرت کے اثرات:

اٹھارویں اور انیسویں صدی کا برصغیر ایک شدید سیاسی، سماجی اور تہذیبی بحران سے گزر رہا تھا۔ مغلیہ سلطنت کا زوال اور بیرونی حملہ آوروں کی غارت گری نے اس دور کے ادب، خصوصاً شاعری کے موضوعات کو گہرے داخلی حزن، قنوطیت اور تصوف کی طرف موڑ دیا۔

دہلی اور لکھنؤ کی تباہی نے اردو غزل کو "شہر آشوب" (معاشرتی و اقتصادی بربادی کا نوحہ) اور "تخریبِ جہاں" جیسے موضوعات دیے۔ میر تقی میر اور مرزا رفیع سودا کے ہاں لکھنؤ اور دہلی کے زوال پذیر معاشرے کی براہِ راست عکاسی ملتی ہے۔

" میر اور سودا کے عہد کا جاگیردارانہ زوال ان کی شاعری میں پشمینے، زربفت کی جگہ فقر و قناعت اور دلی کی ویرانی کے استعاروں میں تبدیل ہوا"۔(1)

علی گڑھ تحریک: افادیت پسندی اور اصلاحِ معاشرہ:

1857ء کے سیاسی انقلاب کے بعد مسلم معاشرہ شدید فکری جمود کا شکار تھا۔ سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء نے محسوس کیا کہ روایتی تخیلاتی ادب اس بدلے ہوئے عہد کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ چنانچہ انہوں نے ادب کو سماجی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔

ادب میں مافوق الفطرت عناصر (جیسے داستانوں کے جن و پری) کی جگہ عقلیت پسندی، نیچر لزم (فطرت نگاری)، سائنسی سوچ اور قومی تعمیرِ نو کے موضوعات نے لے لی۔

الطاف حسین حالی کی "مسدسِ حالی" اور ڈپٹی نذیر احمد کے اصلاحی ناول اسی سماجی ضرورت کی پیداوار تھے۔

" سر سید کے رسالے "تہذیب الاخلاق" نے اردو نثر کو تکلف اور تصنع سے نکال کر سادگی، سچائی اور سماجی افادیت کے موضوعات سے ہمکنار کیا۔"(2)

ترقی پسند تحریک: اشتراکیت اور طبقاتی کشمکش:

بیسویں صدی کے آغاز میں صنعتی انقلاب، روس کا اشتراکی انقلاب (1917ء) اور ہندوستان میں مزدور و کسان تحریکوں نے معاشرے کو طبقاتی بنیادوں پر تقسیم کر دیا۔

اس سماجی تبدیلی نے اردو ادب کی تاریخ کا سب سے بڑا موضوعاتی انقلاب برپا کیا جسے "ترقی پسند تحریک" (1936ء) کہا جاتا ہے۔

ادب کا مرکز شاہ و گدا اور روایتی محبوب کے بجائے "مزدور، کسان، طوائف، بھوک، اور سرمایہ دارانہ استحصال" بن گئے۔ پریم چند کے افسانے (مثلاً "کفن")، فیض احمد فیض اور ساحر لدھیانوی کی شاعری اسی طبقاتی شعور کی عکاس ہے۔

"برصغیر کے معاشی بحران نے پریم چند کے نکتہ نظر کو بدلا اور "ادب برائے زندگی" کا نعرہ معاشرتی حقیقت نگاری کی بنیاد بنا"۔(3)

تقسیمِ ہند اور فسادات کا نفسیاتی و موضوعاتی اثر:

1947ء میں برصغیر کی تقسیم محض ایک سیاسی واقعہ نہیں تھا، بلکہ یہ تاریخ کی سب سے بڑی انسانی ہجرت اور تہذیبی المیہ تھا۔ اس کے نتیجے میں رونما ہونے والے خونریز فسادات نے ادیبوں کے داخلی وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔

اردو افسانے اور ناول میں وحشت، بربریت، شناخت کا بحران، فسادات کی نفسیات اور ہجرت کا کرب بنیادی موضوعات بن گئے۔ سعادت حسن منٹو کے افسانے ("ٹوبہ ٹیک سنگھ"، "کھول دو")، کرشن چندر کا "پشاور ایکسپریس" اور قرۃ العین حیدر کا ناول "آگ کا دریا" اس عہد کے شاہکار موضوعاتی نمائندے ہیں۔

" نقوش کے اداریے اور مضامین میں یہ واضح کیا گیا کہ کس طرح تقسیم کے خونی منظر نامے نے ادیبوں کو رومانیت پسندی سے الگ کر کے شدید اور تلخ ترین سماجی حقیقت نگاری پر مجبور کیا"۔(4)

جدیدیت اور مابعد جدیدیت

صنعتی شہر اور فرد کی تنہائی

تقسیم کے بعد، خصوصاً 1960ء کی دہائی سے برصغیر میں تیزی سے شہروں کی آبادکاری صنعتی ترقی اور بیوروکریٹک نظام کا غلبہ ہوا۔ اس میکانکی معاشرے نے فرد کو بھیڑ میں تنہا کر دیا۔

جدید اردو ادب (خصوصاً ن۔ م۔ راشد، میراجی، اور بعد میں مابعد جدید افسانہ نگاروں) کے ہاں اجتماعی موضوعات کے بجائے "فرد کی تنہائی، ذات کا بحران، وجودیت لایعنیت، اور علامت نگاری" اہم موضوعات بن کر ابھرے۔

"صنعتی اور تکنیکی ترقی نے انسان کا رشتہ اس کی مٹی اور روایت سے کاٹ دیا ہے، جس کے نتیجے میں جدید شاعری اور نثری اسلوب میں لامرکزیتی اور باطنی شکست وریخت کے موضوعات غالب آئے"۔(5)

معاشرہ جامد نہیں رہتا، اس لیے ادب کے موضوعات بھی مستقل تغیر پذیر رہتے ہیں۔ جاگیردارانہ دور کے صوفیانہ و قنوطی موضوعات سے لے کر، علی گڑھ کی اصلاح پسندی، ترقی پسندوں کی طبقاتی کشمکش، تقسیم کا کرب اور دورِ حاضر کے ڈیجیٹل ومیکانکی عہد کی تنہائی تک—ادب کا ہر تخلیقی موڑ معاشرتی تبدیلیوں کا مرہونِ منت ہے۔ پس، ادب پر معاشرے کے موضوعاتی اثرات محض ضمنی نہیں بلکہ تمعیدی اور اساسی ہیں۔

اس تناظر میں ادب برائے زندگی اور ادب برائے ادب کی بحث ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔

"ادب برائے زندگی" اور "ادب برائے ادب" کی بحث اردو تنقید کی طویل ترین اور معرکہ آرا بحثوں میں سے ایک ہے۔ یہ دراصل دو مختلف کائناتی اور جمالیاتی نکتہ ہائے نظر ہیں جو ادب کی غرض وغایت کو متعین کرتے ہیں۔

آج کا فکری شعور اور مابعد جدید تنقید ان دونوں نظریات کو متصادم دیکھنے کے بجائے ایک دوسرے کا متمم مانتی ہے۔ موجودہ تناظر میں دونوں نظریات کے مطابق ادب کی پوزیشن اور مقام کا تفصیلی جائزہ ذیل میں پیش ہے۔

ادب برائے زندگی (ادب کا سماجی وافادی مقام)

اس نظریے کے حامی سرسید احمد خان، علامہ اقبال، اور ترقی پسند تحریک کے نقاد جیسے مجنوں گورکھپوری اور احتشام حسین ادب کو معاشرتی اصلاح، طبقاتی کشمکش اور انسانی زندگی کی بہتری کا آلہ کار مانتے ہیں۔

ادب بھوک، افلاس، ناانصافی اور عوامی امنگوں کا ترجمان نہیں ہے، تو وہ محض ایک تعیش ہے۔ ادب کا مقام یہ ہے کہ وہ قاری میں شعور بیدار کرے اور اسے جمود کے خلاف متحرک کرے۔

"جب اس نظریے پر حد سے زیادہ سختی کی گئی، تو ادب "پروپیگنڈا" بن گیا اور تخلیقی حسن پس پشت چلا گیا"۔(6)

ادب برائے ادب (ادب کا جمالیاتی وداخلی مقام)

اس نظریے کے علمبردار مولانا محمد حسین آزاد، نیاز فتح پوری، ناصر کاظمی، اور حلقہ اربابِ ذوق کے نقاد جیسے ممتاز شیریں اور حسن عسکری ادب کو کسی بیرونی مقصد سیاست یا سماج کا تابع نہیں کرنا چاہتے۔ ان کا ماننا ہے کہ ادب کا اصل مقصد حسن، مسرت، داخلیت اور خالص انسانی جذبات کا اظہار ہے۔

ادب اپنے وجود میں خود کفیل ہے۔ ادب کا کام کسی نظریے کی تبلیغ کرنا نہیں بلکہ انسان کے باطنی کرب، کائناتی فکر وفلسفہ، رومانیت اور روح کی گہرائیوں کو زبان دینا ہے۔ ادب فرد کی انفرادیت کو محفوظ کرتا ہے۔ جب اس نظریے پر اصرار حد سے بڑھا، تو ادب حقیقتِ زندگی سے کٹ کر محض تخیلاتی عیاشی اور لفظی پچی کاری بننے لگا"۔

"موجودہ دور کے نقاد جیسے پروفیسر گوپی چند نارنگ اور شمیم حنفی اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ دونوں نظریات خطِ مستقیم پر الگ الگ نہیں چلتے، بلکہ ایک ہی دائرے کے دو رخ ہیں۔ ادب ان دونوں کے بین بین کھڑا ہے"۔(7)

"ادب برائے زندگی" بغیر اسلوب کے بے اثر ہے۔

زندگی کے تلخ ترین حقائق (بھوک، غربت، جنگ) اس وقت تک "ادب" نہیں بن سکتے جب تک انہیں جمالیاتی اسلوب، علامت اور تخلیقی زبان جو ادب برائے ادب کا خاصہ ہے میں نہ ڈھالا جائے۔ اگر اسلوب کمزور ہو، تو وہ تحریر ادب نہیں بلکہ ایک اخباری رپورٹ یا سیاسی پمفلٹ بن جاتی ہے۔ پریم چند کا افسانہ "کفن" یا منٹو کے افسانے سماجی موضوعات پر ہیں، لیکن وہ اپنے اعلیٰ فنی اسلوب کی وجہ سے ہی لازوال ادب بنے۔(8)

"ادب برائے ادب" بھی معاشرے سے کٹ نہیں سکتا۔ انسان کتنا ہی داخلی کیوں نہ ہو جائے، اس کی داخلیت، اس کے خواب، اس کی رومانیت اور اس کی تنہائی بھی اسی معاشرے کی دین ہوتی ہے جس میں وہ سانس لیتا ہے۔ ناصر کاظمی کی غزلوں میں جو شدید اداسی اور ماضی پسندی ہے (جو بظاہر خالص داخلی موضوع ہے)، وہ دراصل 1947ء کے معاشرتی المیے اور تاہجرت کے کرب کا باطنی ردِعمل ہے۔(9)

آج کا سچا ادب ان دونوں نظریات کے حسین امتزاج پر کھڑا ہے۔ اس پوزیشن کو یوں واضح کیا جاسکتا ہے:

ادب کا موضوع تو "زندگی" ہی معاشرہ، فرد، سیاست، فلسفہ ہوتا ہے، لیکن اس کا فن حسن، جمالیات، اسلوب ہوتا ہے(10۔

اگر کوئی فن پارہ زندگی کے مروجہ مسائل سے بالکل کٹ جائے تو وہ "بے معنی" ہو جاتا ہے، اور اگر وہ فن کے تقاضوں کو پامال کر دے تو وہ "بے جان" ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سچا ادب وہی ہے جو معاشرتی شعور کو جمالیاتی حظ کے ساتھ پیش کرے۔(11)

حوالہ جات

1۔ محمد علی صدیقی ڈاکٹر؛اردو شاعری کا سیاسی اور سماجی پس منظر؛مغربی پاکستان اردو، لاہور، 1984ء، ص145

2۔ اصغر عباس ڈاکٹر علی گڑھ تحریک سماجی اور سیاسی مطالعہ؛ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1990ء، ص88

3۔ قمر رئیس ڈاکٹر؛ترقی پسند ادب کے 50 سال، 1987ء، ص112

4۔ محمد طفیل (مدیر) ماہنامہ نقوش؛ادارہ فروغ اردو، لاہور، 1948ء، ص65

5۔ گوپی چند نارنگ ڈاکٹر؛اردو میں جدیدیت اور مابعد جدیدیت تعلیمی پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 1999ء، ص210

6۔ احتشام حسین پروفیسر؛ادب اور سماج؛مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی، 1948ء، ص45

7۔ مجنوں گورکھپوری؛تنقیدی حاشیے؛ادارہ اردو حیدرآباد دکن، 1945ء، ص88

8۔ حسن عسکری پروفیسر؛ادبی تنقید مکتبہ جدید، لاہور، 1953ء، ص112

9۔ ممتاز شیریں؛معیار؛نیا دور پبلی کیشن کراچی؛ 1963ء، ص264

10۔ احتشام حسین ڈاکٹر؛روایت اور بغاوت؛کتاب گھر، کراچی، 1976ء، ص135

11۔ گوپی چند نارنگ شعریات تعلیمی پبلشنگ ہاؤس دہلی، 1943ء، ص342